شکیل احمد شفاق
متعلم بی۔ایس۔سی (فائنل)

انسان کے بُنیادی اخلاق اور شاہ ولی اللہؒ

نفس مضمون کو دیکھتے ہوئے اسے تین حصوں علم اخلاق، انسان کے بُنیادی اخلاق اور شاہ ولی اللہؒ کا فلسفۂ اخلاق میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، تاکہ ہر حصے پر مکمل بحث ہو اور کوئی بھی پہلو تشنہ نہ رہے۔

علمِ اَخلاق

جو علم بھلائی و برائی کی حقیقت کو ظاہر کرے اور کار آمد باتوں کے لیے دلیلِ راہ بنے، جو فضائل و رزائل کا علم بخشے اور یہ بتائے کہ انسان کس طرح فضائل سے مزیّن ہو کر رزائل سے محفوظ رہ سکتا ہے اس کو علمِ اخلاق کہتے ہیں۔

علمِ اخلاق کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے خیر و شر، نیکی و بدی کو واضح کر دے۔ اور اس طرح نیکی و سچائی کی راہ کو آسان بنا دیتا ہے۔ اس کا کام کسی کو جبری طور پر صالح بنانا نہیں ہے بلکہ انسان کو سیدھی راہ دکھانا ہے جس پر چلنے یا نہ چلنے کا اِنحصار فرد کے ارادے پر ہے۔

علمِ اخلاق انسانی معاشرے کی تاریخ کے ابتدائی دور میں سے کسی نہ کسی صورت میں زیرِ بحث رہا ہے۔ یونانی فلسفے کے ابتدائی دور میں اس علم کی جھلکیاں دیکھی جاسکتی ہیں جن کا ماخذ فلسفے کے مابعد الطبیعاتی افکار ہوتے تھے۔ سقراط، افلاطون اور ارسطو نے اس علم کو بہت جلا بخشی جس کے نتیجے میں سینکڑوں نظریات معرضِ وجود میں آئے جنہیں دو بڑے مکاتیبِ فکر میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک فکر کو راہبوں، جوگیوں اور فقیروں نے اپنا لیا جن کے نزدیک اخلاقیات اور اس کے مسائل وجدان اور رُوحانی تعلیمات کے مطابق حل ہوتے ہیں۔ انسانی کردار کی تشکیل اور رُوحانی سکون ان کے نزدیک مذہبی عبادات و ریاضات کو اپنانے سے حاصل ہوتا ہے، ان کے نزدیک حقیقی مسرت رُوح کی پاکیزگی کا نام ہے۔

دُوسری فکر ان لوگوں نے اپنائی جو سقراط کے نظریہ لذتیت کے قائل تھے الغرض یونان میں سوفسطائیوں نے رُوحِ اخلاق کو فلسفے کے قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ حکیم سقراط نے اس کے مباحث میں وسعت پیدا کی۔ افلاطون نے فلسفہ تصوریت دیا۔ ارسطو نے معرکۃ الآراء کتاب "علمِ اخلاق" تحریر کی۔

مسلم دَور بھی "علمِ اخلاق" کی تاریخ کا سنہرا دَور ہے۔ جس میں یعقوب الکندی، بو علی سینا، ابن قیم الجوزی، راغب اصفہانی، ابن مسکویہ، امام رازی، مولانا طوسی، امام غزالی، شاہ ولی اللہؒ اور دیگر مفکرین اور علماء نے کافی کام کیا اور علمِ اخلاق کو نئے نئے انداز واسلوب سے اپنے افکار ونظریات میں سمو کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔

انسان کے بُنیادی اخلاق

انسان کے بنیادی اخلاق سے مراد وہ اوصاف ہیں جن کی وجہ سے انسان کے اخلاقی وجود کی اساس قائم ہے۔ ان میں وہ تمام صفات شامل ہیں جو دنیا میں انسان کی کامیابی کے لیے لازمی شرط ہیں خواہ وہ صحیح مقصد کے لیے کام کر رہا ہو یا غلط مقصد کے لیے۔ اخلاقیات میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ آدمی خدا، رسول، وحی اور آخرت

کو مانتا ہے یا نہیں، طہارتِ نفس، نیتِ خیر اور عملِ صالح سے آراستہ ہے یا نہیں۔ اس کی کوشش کا مقصد اچھا ہو یا بُرا، جو انسان اور جو گروہ اپنے اندر وہ اوصاف رکھتا ہو جو دُنیا میں کامیابی کے لیے ناگزیر ہیں، وہ یقیناً کامیاب ہوگا اور ان لوگوں سے بازی لے جائے گا جو اُن اوصاف کے لحاظ سے کمزور ہوں گے۔

مومن ہو یا کافر، نیک ہو یا بد جو کچھ بھی ہو وہ اگر کارگر انسان ہو سکتا ہے تو صرف اِسی صورت میں جب کہ اس کے اندر ارادے کی طاقت اور فیصلے کی قوت ہو، عزم و حوصلہ، صبر و ثبات اور استقلال ہو۔ تحمل و برداشت ہو، ہمت اور شجاعت ہو، مستعدی اور جفاکشی ہو۔ اپنے مقصد کا عشق اور اس کے لیے ہر چیز قربان کر دینے کا جذبہ ہو، احتیاط و تدبّر ہو، حالات کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے کی قابلیت ہو۔ اپنے جذبات و خواہشات اور ہیجانات پر قابو ہو، دوسرے انسان کو موہنے اور اس کے دل میں جگہ پیدا کرنے اور اس سے کام لینے کی صلاحیت ہو۔ اور پھر یہ ناگزیر ہے کہ اس کے اندر وہ شریفانہ اوصاف بھی کچھ نہ کچھ موجود ہوں جو فی الحقیقت آدمیت کا جوہر ہیں اور جن کی بدولت آدمی کا وقار اور اعتبار دُنیا میں قائم ہے، مثلاً خودداری فیاضی، رحم، ہمدردی، انصاف، وسعتِ قلب و نظر، سچائی، امانت، دیانت، راستبازی، ایفائے عہد، اعتدال، شائستگی اور طہارت وغیرہ۔

یہ اوصاف اگر کسی قوم یا گروہ کے بیشتر افراد میں موجود ہوں تو ان کے پاس سرمایہ انسانیت موجود ہے جس سے ایک طاقتور اجتماعیت وجود میں آ سکتی ہے دراصل یہی ہیں وہ اخلاق جن کو "انسان کے بنیادی اخلاق" کہا جاتا ہے کیونکہ یہی اخلاقی اوصاف انسان کی اخلاقی طاقت کا اصل منبع ہیں اور انسان کسی مقصد کے لیے بھی دُنیا میں کامیاب کوشش نہیں کر سکتا، جب تک ان اوصاف کا زور اس کے اندر موجود نہ ہو۔

اب تک تمہیداً جو بات ہمارے سامنے آئی وہ علمِ اخلاق اور انسان کے بنیادی اخلاق سے متعلق تھیں۔ آیئے اب شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ اخلاق پر گفتگو کریں

اور دیکھیں کہ شاہ صاحبؒ نے کس طرح انسان کے بنیادی اخلاق کو اپنے افکار و نظریات اور فلسفے میں پنہاں کرکے ایک اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کا فلسفۂ اخلاق

اخلاقیات کے فلسفۂ جدید کے بانیوں میں شاہ ولی اللہؒ کا نام سرِفہرست لکھا جاسکتا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ افراط و تفریط سے ہٹ کر اخلاقیات کے مسائل کا ایسا حل پیش کرتے جس سے انسانی کردار کی تشکیل میں رُوحانی اور مادی دونوں عنصر شامل ہوتے ہیں۔ رُوحانی سے مراد مذہبی اقدار کی مضبوطی اور مادی سے فطرت کی روشنی میں انسانی کردار کی تعمیر کا اہتمام ہے۔ وہ عوامل جو کردار کی تشکیل میں اساسی حیثیت رکھتے ہیں، شاہ صاحبؒ کی اصطلاح میں "اخلاقِ فاضلہ" کہلاتے ہیں۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اخلاقِ فاضلہ فی الحقیقت بُنیادی طور انسانی جبلتوں ہی کے ارتقائی اور مکمل صورت کا نام ہے۔ یہ جبلتیں حیوانوں اور انسانوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ انسانی اور حیوانی اعمال انھی جواہر اور جبلتوں کا مظہر ہیں، لیکن کچھ بنیادی چیزیں ہیں انسانی عمل کو حیوانی عمل سے ممتاز کرتی ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:

"تین باتیں انسانوں کو حیوانوں سے ممتاز کرتی ہیں:۔ ا۔

ا۔ رائے کلی ۲۔ ظرافت ۳۔ تکمل

رائے کلی

حیوان کو جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ اسے حاصل کرنے کے لیے ہر قسم کے طریقے استعمال کرتا ہے اسے اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ اس کی ان باتوں سے دُوسرے حیوانوں کو نقصان پہنچے گا۔ یا دُوسروں کا حق مارا جائے گا، اسے صِرف اپنا فائدہ عزیز ہوتا ہے مگر انسان کو چونکہ خدا نے دُوسرے جانداروں سے افضل پیدا کیا ہے اس لیے وہ دُوسروں کا خیال پہلے کرتا ہے اور کسی بھی طریقے سے دوسروں پر ظلم نہیں کرتا اور نہ ہی ان کا حق چھینتا ہے بلکہ کسی وقت اپنے فائدے کے مقابلے

یں دوسروں کا فائدہ ہو تو عام بھلائی کے لیے اپنا فائدہ قربان کردیتا ہے، چنانچہ انسان میں رفاہِ عام کا جذبہ "رائے کلی" کہلاتا ہے۔ اگر انسان میں یہ جذبہ نہ ہو تو اس میں اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا۔

ظرافت

حیوان کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ کوئی چیز اچھی ہے یا بُری، صاف ہے یا گندی، خوبصورت ہے یا بدصورت، اسے تو صرف اپنی ضرورت پُوری کرنے کا خیال ہوتا ہے لیکن خُدا نے انسان میں حسن و خوبی کا شوق رکھا ہے وہ ہر چیز کو صاف ستھری اور پاکیزہ دیکھنا چاہتا ہے، وہ جو چیز کھاتا ہے خوش ذائقہ، جو کچھ پہنتا ہے دیدہ زیب اور دلپسند، جہاں رہتا ہے وہاں کھُلا اور ہوادار صاف ماحول پسند کرتا ہے، وہ اچھے مناظر اور اچھی شکل کو بدصورتی پر ترجیح دیتا ہے، اس کا یہ ذوقِ جمال یعنی ظرافت اسے دُوسرے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے۔

تکمل

حیوان جو کچھ سوچتا ہے فوری ضرورت کے لیے اور جو کچھ کرتا ہے یا سیکھتا ہے وہ بھی فوری ضرورت کے لیے لیکن انسان کی حالت اس سے مختلف ہے وہ اپنے آپ اور دُوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے نئی نئی باتیں سوچتا ہے، اسی سوچ کی بدولت کچھ اور نئی چیزیں ایجاد کرتا ہے پھر ان ایجادات میں آئے دن ترقی کرتا رہتا ہے، اور کچھ سیکھتا ہے دُوسروں کو سکھاتا ہے اور جو کچھ باتیں سیکھتا ہے ذہن میں رکھتا ہے۔ طرح طرح کے علم اس کے ذہن میں پرورش پاتے ہیں۔ جو کام بھی کرتا ہے، ایسے مقصد کے لیے کرتا ہے جو اس کی ذہنی اور معاشرتی ترقی کا سبب بنیں، یہ سب باتیں اسے حیوان سے افضل بناتی ہیں۔

رائے کلی، ظرافت اور تکمل کو انسان کے بنیادی اخلاق قرار دے کر شاہ ولی اللہؒ اخلاقِ فاضلہ کو بیان کرتے ہیں، جنھیں وہ جامع انداز سے بیان کرتے ہوئے سات حصوں میں تقسیم [illegible] ہیں

- حکمت • شجاعت • عفت • سماحت • فصاحت • دیانت
- ہمتِ صالح

اخلاقِ فاضلہ کا ظہور جس طرح ہوتا ہے اس کی کیفیت شاہ صاحبؒ اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

انسان اور حیوان میں عقل، قلب اور نفس بنیادی قوتیں ہیں مگر انسان میں عقل، قلب اور نفس کے اوپر تین قوتیں رائے کلی، ظرافت اور تکمل بھی ہیں ۔ اب عام انسانی طبیعت جب ان مذکورہ بالا قوتوں کے باہمی ملاپ اور ایک دوسرے سے متاثر ہونے کی وجہ سے بنی نوع حیوان کی بنیادی قوتوں سے ارتقاء کرتی ہے تو اس میں طرح طرح کی خصوصی صفات پیدا ہوجاتی ہیں جو چند در چند ملے جلے احساسات اور جذبات پر مشتمل ہوتی ہیں، یہ پیچیدہ نفسیاتی صفات ہی اخلاقِ فاضلہ ہیں جو سات حصوں میں تقسیم ہیں۔"

بنیادی اخلاق رائے کلی، ظرافت، اور تکمل کے ساتھ ساتھ اخلاقِ فاضلہ کو اختیار کرنے کے بعد انسان جب روحانی ترقی کرتا ہے تو شاہ ولی اللہؒ اسے "اقترابات" کہتے ہیں اور جب یہ انسان دوسرے انسانوں کے ساتھ ملکر اپنے تمدن کو ترقی کی طرف لے جاتا ہے تو شاہ صاحبؒ اسے "ارتفاقات" کہتے ہیں۔

آیئے اب اخلاق فاضلہ کا فرداً فرداً ذکر کریں۔

• حکمت

یہ عقل کا وصف ہے اس کا اظہار حواس کے ذریعے، نظر و فکر کے ذریعے یا نورِ الٰہی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ حکمت سے بہرہ ور انسان میں بصارت، ذکاوت اور ادراک کی صفات ہوتی ہیں ۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :

"ہم جس حکمت کو بیان کرنا چاہتے ہیں وہ "دقتِ نظر" نہیں جو اصحاب فلسفہ کے لیے مخصوص ہے ۔ اور نہ ہی اس سے مراد "عمیق وجدان" ہے

جو نفوس میں تجلی کی طرح وارد ہوتا ہے اور صوفیہ کے لیے مخصوص ہے، بلکہ حکمت وہ ہے جس ذریعے سلیم المزاج لوگ اپنی معاشی سرگرمیوں اور علوم میں ہدایت پاتے ہیں۔

دراصل بات یہ ہے حکمت کسی خاص ایک مسئلے سے مختص نہیں بلکہ یہ علم کی ایک قسم ہے جو بہت سی چیزوں کا مجموعہ ہے اور اس سے اطمینان حاصل ہوتا ہے حکمت کیفیات میں سے ایک کیفیت ہے کہ دل اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے الغرض جب رائے کلی اور تکمل علوم میں داخل ہو جاتے ہیں تو وہ حکمت بن جاتے ہیں۔

● شجاعت

پوری نوع حیوان میں غضب وغصہ پایا جاتا ہے اس طرح انسان میں بھی ہے مگر جب اس میں رائے کلی کو دخل ہوتا ہے تو یہ شجاعت بن جاتا ہے۔ اس لیے انسان کو جب غصہ آتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ اگر فوراً بدلہ لیا جائے تو اس سے فتنہ وفساد بڑھے گا چنانچہ وہ بعد کے نفع ونقصان کو پیش نظر رکھ راستہ متعین کرتا ہے اس خلق کو شجاعت کہتے ہیں۔ مصائب ومشکلات کا مقابلہ کرتے وقت دل کو مضبوط رکھنا بھی شجاعت ہے اور شجاعت کا اطلاق نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرنے، انھیں دبانے اور ان سے عہدہ برا ہونے پر بھی ہوتا ہے۔

● عفت

جنسیت کے بارے میں شاہ ولی اللہؒ نہ تو لذتیت کے مادہ پرست نظریے کے قائل ہیں اور نہ ہی وہ جوگیوں اور راہبوں کے فلسفے سے متفق ہیں۔ جنسیت کو وہ انسانی جبلت کا اہم جزو مانتے ہیں، ان کے نزدیک مخالف جنس سے وابستگی کے رجحانات بالکل فطری ہیں۔ انسان کی روح صنف لطیف کے حسن اور جمال کی طرف میلان رکھتی ہے، اس روح صنف لطیف کی خوشبو سونگھنا اور اس صنف سے لمس چاہتی ہے۔ اس کے علاوہ انسان میں مادہ منویہ بھی ہے جو اپنی تسکین چاہتا ہے الغرض یہ تمام میلانات انسان کے حواس پر جاری وساری رہتے ہیں۔ اور تمام میلانات میں

جب رائے کلی کو دخل ہوتا ہے تو شاہ صاحبؒ اسے عفت کہتے ہیں۔ مردوں میں صاحب عفت وہ ہے جو جنسی قوت اور جنس مخالف سے میلان رکھتے ہوئے اس جبلت کو مکمل طور پر رائے کلی کے ماتحت رکھتا ہے۔ اور عورتوں میں صاحب عفت وہ ہے جو اپنی اولاد سے شفقت اور خاوند سے محبت رکھتی ہو۔

● سماحت

سماحت کے معنیٰ فیاضی کے ہیں اور اصول ارتقاء کے مطابق نوعِ حیوان میں عُجب، غرور اور اظہارِ ذات کے جذبات ہیں۔ شاہ صاحبؒ کہتے ہیں جب غرور و اظہار ذات رائے کلی کی حدود میں رہ کر کیا جائے تو یہ سماحت ہے۔ صاحب سماحت آدمی پروقار ہوتا ہے اس میں تحمل، بُردباری، استقلال اور عفو و درگزر جیسے اعلیٰ اوصاف ہوتے ہیں وہ ذاتی انتقام کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ سخی اس لیے نہیں ہوتا کہ وہ مال و دولت کو سنبھال نہیں سکتا بلکہ وہ مال و دولت کو اپنا حقیر غلام سمجھتا ہے اور ایک آقا کی حیثیت سے اس میں عملدرآمد کرتا ہے۔

● فصاحت

اللہ تعالیٰ نے آواز کی قوتوں اور ذہن کی علم و ادراک کی قوتوں میں ایک ارتباط پیدا کیا ہے اور یہ ارتباط حیوانوں میں بھی ہوتا ہے لیکن انسان کے ہاں ایک تو ان دونوں قوتوں میں ارتباط زیادہ ہوتا ہے اور دُوسرے انسان آواز کو ٹکڑوں میں تقسیم کرسکتا ہے۔ چنانچہ علم و ادراک کی قوتوں سے جو کچھ بھی زبان پر آتا ہے، زبان اسے صحیح طور پر ادا کرتی اور اس میں تنظیم پیدا کرتی ہے تو یہ فصاحت ہے۔ نیز زبان کے ذریعے اظہار مافی الضمیر کا نام بھی "فصاحت" ہے۔

● دیانت

یہ خلق فصاحت کے ہم پلّہ ہے لیکن فصاحت کا تعلق زبان کے ذریعہ اظہار ما فی الضمیر سے ہے اور جسم کی حرکات اور سکنات اور چہرے کی علامت کے ذریعے ما فی الضمیر کی صحیح صحیح تعبیر دیانت ہے۔ اس کی تشریح شاہ صاحبؒ یوں کرتے ہیں:

"انسان اور حیوان کی جبلت ہے کہ جو خیالات ان کے ذہن میں آتے ہیں ان کے اعضاء و جوارح اس کی نقل کرتے ہیں۔ ایک حیوان کا سینہ فخر و غرور سے بھر جاتا ہے تو وہ اپنی گردن اونچی کرتا ہے اور جب وہ ناخوش ہوتا ہے تو اس کا سر جھک جاتا ہے اور دم لٹک جاتی ہے۔ الغرض اعضاء و جوارح دل کے لیے ایک آئینہ ہیں دل پر جو کچھ گزرے اس کا اعضاء و جوارح کے ذریعے صحیح اظہار دیانت ہے۔"

سمتِ صالح

سمتِ صالح سے مراد متوازن طبیعت ہے جس میں ایک طرف تو باطنی ہم آہنگی ہو تو دوسری طرف اس کے مختلف اجزاء اور حصے باہم متناسب ہوں اس کی وجہ سے ذہن میں ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ اپنے عمل و کردار میں استقامت اور ہم آہنگی کا ثبوت دیتا ہے اس ذہن کا مالک ایک سلجھے ہوئے متوازن کردار کا ہوگا عارضی حالات اور وقتی حادثات اسے متاثر نہیں کر سکتے۔

وہ لوگ جن کی طبائع میں ہم آہنگی نہیں وہ اپنے عمل و کردار میں استقامت اور پختگی کا ثبوت نہیں دے سکتے اور ان سے متضاد قسم کے افعال سرزد ہوتے رہتے ہیں، ایک وقت میں وہ عظمت اور جبروت کے مظہر نظر آتے ہیں اور ان کا وقار سماحت اور شجاعت کا پیراہن ہوتا ہے لیکن جلد ہی وہ بخیل، تنگ دل اور بزدل کی صورت میں ہمارے سامنے آتے ہیں، یہ باتیں ان کے ہاں سمتِ صالح کے فقدان کا پتہ دیتی ہیں اور وہ لوگ طبیعت کی ہم آہنگی سے محروم ہیں۔ ہم آہنگی اور تناسب یعنی سمتِ صالح صرف مزاج ہی میں نہیں بلکہ انسان کے اخلاق، اعمال اور لباس میں بھی ہونا چاہیے اور ان کے مختلف جزئیات میں بھی۔

"اخلاقِ فاضلہ" کے اس اجمالی تذکرہ کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات عیاں ہو جائے کہ شاہ ولی اللہؒ کے فلسفۂ اخلاق کی بنیاد انسان کی وہ بنیادی خصوصیات یا انسان

کے وہ بنیادی اخلاق، رائے کلی، ظرافت اور تکمل ہیں جنھیں اساس بنا کر انسان کردار کی بہترین تشکیل کر سکتا ہے اور پھر اخلاقِ فاضلہ کی موجودگی میں وہ صحیح اور پاکیزہ، خوشحال معاشرہ تشکیل کر سکتا ہے۔

کتب استفادہ

- حجۃ اللہ البالغہ
- فیوض الحرمین
- شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم
- تذکرہ شاہ ولی اللہؒ
- مقالاتِ وحید
- اسلام کا نظریۂ حیات
- کیمیائے سعادت

لمحات

(عربی)

شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ تصوف کی یہ بنیادی کتاب شروع سے نایاب تھی، مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی کو اس کتاب کا ایک پرانا قلمی نسخہ ملا۔ موصوف نے بڑی محنت سے اس کی تصحیح کی اور شاہ صاحبؒ کی دوسری کتابوں کی عبارات سے اس کا مقابلہ کیا اور وضاحت طلب امور پر تشریحی حواشی لکھے۔ کتاب کے شروع میں مولانا کا ایک مبسوط مقدمہ ہے۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی نے مصری ٹائپ میں خاص اہتمام سے اس کو چھاپا اور نشر کیا۔ پہلا ایڈیشن جلد ہی ختم ہو گیا۔ اب دوبارہ یہ کتاب زیر طبع ہے اور مزید تصحیح و تحقیق سے شائع ہو رہی ہے۔